حکیم الامت مولانا تھانوی کے ملفوظات

مولانا تھانوی کی مجلس میں

حسن معاشرت سے متعلق حکام کی باتیں

کثرتِ مکاتبت کا مقصد | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں بکثرت مکاتبت کا جو مشورہ دیا کرتا ہوں اس سے یہ مقصود نہیں کہ ولی بنا دیا جاتا ہے بلکہ وہ بڑا ذریعہ ہے مناسبت کا جو شرطِ اعظم ہے نفع کی۔

بے عملی اور ترقی جمع نہیں ہو سکتیں | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ میرے مواخذات کو دیکھ کر کہتے ہوں گے کہ کس قصائی سے پالا پڑا۔ اور میں ان کی بدتمیزی کو دیکھ کر کہتا ہوں کہ کن بیلوں سے پالا پڑا۔ بیل و قصائی میں ایک تقابل بھی ہے، بات یہ ہے طبیعتوں میں آزادی کی زہریلی ہوا گھسی ہوئی ہے، چاہتے ہیں کہ ہو تو جائیں سب کچھ مگر نہ تو ہم کو کوئی کچھ کہے اور نہ کچھ کرنا پڑے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کسی کو اولاد کی تو تمنا ہو مگر نہ رشتہ نہ کہیں آنا جانا پڑے نہ نکاح ہو اور اولاد ہو جائے۔ ع

ایں خیال ست و محال ست و جنوں

طریقہ اصلاح اور طالب کی حالت | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا یہ مقولہ سنا ہے کہ جس کا پیر تڑا نہ ہو اس مرید کی اصلاح ہو نہیں سکتی۔ مولانا احمد حسن صاحب امروہی بڑے نازک مزاج تھے، عالی خاندان تھے۔ دیوبند پڑھنے آئے تھے مولانا نے دیکھا کہ ان میں صلاحیت ہے، عالی دماغ ہیں، اب تربیت بھی ساتھ ساتھ شروع فرما دی، حضرت ان کو چاہتے بہت تھے مگر اصلاح میں ذرا رعایت نہ فرماتے تھے کوئی جولاہا آتا دعوت کرنے، فرماتے کہ ایک لڑکا بھی ساتھ ہو گا وہ خوشی سے قبول کر لیتے کہیں چٹائی پر بیٹھ کر اور کہیں کمبل پر بیٹھ کر روٹی کھانی پڑتی اس میں ترک

تکلف کی عادت ڈالنا مقصود تھا ایک گاؤں والا ایک گاڑھے کا تھان حضرت مولانا کے واسطے لایا حضرت نے درزی کو بلاکر فرمایا کہ اس سے اس لڑکے کے واسطے کرتہ پاجامہ قطع کر کے سی دو ان کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے بندوق ماری ہو۔ مگر پھر پہننا پڑا اور سب تکلف طبیعت سے رخصت ہوا، گو لطافت اس وقت بھی رہی لطافت تو فطری چیز ہے مگر کبر کا نام ونشان نہ تھا۔ غرض اصلاح اسطرح ہوتی ہے اور گو اس متشددانہ طریق سے اصلاح کرنے کی ہمارے بزرگوں میں کثرت نہ تھی مگر اس وقت اسکی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ پہلے طالبوں کی طبیعتوں میں سلامتی تھی اور اب نہیں، فرق کی وجہ یہ ہے۔

فن سے ناواقف کو اعتراض کا حق نہیں | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے کوئی شخص فن کو بے سمجھے سوال کرتا تو فرماتے کہ بھائی یہ قیل وقال کے لئے مدرسہ نہیں۔

راحت رسانی ادب وتعظیم سے ضروری ہے | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تعظیم وتکریم کی تو زیادہ رعایت کرتا نہیں البتہ راحت کا خاص اہتمام کرتا ہوں، آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ میں نے آج تک دونوں گھروں میں اس کی فرمائش نہیں کی کہ فلاں چیز پکاؤ یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید انتظام میں کوئی الجھن ہو البتہ خود ان کی پوچھنے پر بتلا دیتا ہوں وہ بھی محض ان کی دلجوئی کی وجہ سے کہ یہ گمان نہ ہو کہ ہم سے اجنبیت برتتے ہیں، پھر وہ بتلانا بھی اس صورت سے ہوتا ہے کہ میں ان سے کہتا ہوں کہ تم بسہولت جو چیز پکا سکتی ہو اس میں دو چار چیزوں کے نام لو وہ نام لیتی ہیں تو میں اس میں سے ایک کو انتخاب کر دیتا ہوں اور اب تو اس کی پرواہ ہی نہیں کہ دوسروں کو کوئی تکلیف نہ ہو تعظیم وتکریم کا تو اہتمام کرتے ہیں مگر راحت کا کوئی سامان نہیں کرتا۔

شریعت کا حاصل راحت دارین ہے | ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ انا للہ کے معنی ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کو ہم میں ہر تصرف کا حق ہے اور انا الیہ راجعون۔ کا حاصل یہ ہے جو شخص مرا ہے اور جس پر رو رہے ہیں وہ اور ہم سب وہاں ہی جائیں گے، وہاں ہی مل لیں گے پس ان دونوں جملوں کا حاصل یہ ہوا کہ جب تم ان دونوں مضمون کا مراقبہ کروگے تو تمہاری کلفت جاتی رہے گی، راحت ہوگی اور تعزیت کے بھی یہی معنی ہیں کہ رنج والے کو تسلی دی جائے سو یہ جو آجکل عرف میں رواج ہے کہ جاکر کہتے ہیں کہ ہائے ایسی عمر نہ تھی، ہائے چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے وغیرہ وغیرہ یہ تعزیت نہیں یہ تو رنج کو بڑھانا ہے، اس سے تو تعزیت کو نہ جاتے تو اچھا تھا۔ معاشرت کے باب میں شریعت کی جتنی تعلیمات ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ

دوسرے کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حاجی محمد یوسف صاحب رنگونی نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ مولانا کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں بھی راحت سے رہو اور وہاں بھی راحت سے رہو، فرمایا کہ حاجی محمد یوسف صاحب نے ٹھیک کہا، شریعت کی تعلیم کا یہی حاصل ہے کہ یہاں بھی راحت سے رہو وہاں بھی راحت سے رہو۔ اب دیکھ لیجئے دعوت ہی ہے یہ محبت اور خلوص کی بناء پر ہوتی ہے۔ مگر اصول چھوڑ دینے کی بدولت کس قدر اس میں تکلیف ہوتی ہے۔

آداب مجلس | ایک صاحب کو مجلس میں بے طریقہ بیٹھنے پر تنبیہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ مقصوداً بیٹھنے اور عرض کے لئے بیٹھنے میں فرق ہوتا ہے صاحب عرض تو ایسا بیٹھتا ہے جیسا اٹھاؤ چولہا اور مقصوداً بیٹھنے کی ہیئت میں اطمینان اور سکون ہوتا ہے اور عرض والوں کی صورت بنا کر بیٹھنے سے قلب پر بار ہوتا ہے اور اگر کسی غرض سے بیٹھے ہو تو اس غرض کو فوراً ظاہر کردو تاکہ گرانی دفع ہو۔

تہجد کے متعلق سوال | فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے، لکھا ہے کہ تہجد کے وقت کبھی آنکھ کھلتی ہے اور کبھی نہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ پھر دینی ضرر کیا ہے۔

اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب میں فرق | ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرے یہاں ایک یہ بھی مستقل تعلیم ہے کہ بات صاف کہو، مجھے آجکل کی تہذیب سے سخت نفرت ہے، جیسے عام محاورہ ہو گیا ہے، کیا ایسا ہو سکتا ہے، حالانکہ استفہام مقصود نہیں ہوتا۔ یہاں ایک صاحب مقیم تھے وہ کسی کو اسٹیشن پہنچانے کیلئے جانا چاہتے تھے، مجھ سے اجازت لینے آئے۔ سیدھی بات یہ تھی کہ میں اسٹیشن جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ مگر اس کی بجائے یوں فرماتے ہیں "کیا میں اسٹیشن جا سکتا ہوں" میں نے کہا کہ کیوں نہیں جا سکتے، خدا نے پاؤں دئے چلنے کو، آنکھ دی دیکھنے کو، قوت ارادیہ دی ارادہ کرنے کو، ارادہ کیجئے اور تشریف لے جائیے۔ چلنا شروع کیجئے پہنچ جاؤ گے۔ کیا خرافات ہے اور کیا مہمل بات ہے۔ غالباً یہ عیسائیوں سے لیا ہے اور ان میں یہ کوئی نئی بات نہیں اور نہ نیا محاورہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: هل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدة من السماء۔ ان عیسائیوں ہی سے مسلمانوں نے یہ محاورہ سیکھ لیا ہے۔ دوسروں کی نقالی کرنا تو اس وقت مسلمانوں کیلئے باعث فخر ہو گیا ہے، ہونا تو یوں چاہئے تھا کہ دوسرے لوگ ان کی وضع اختیار کرتے مگر انہوں نے سب سے پہلے پیش قدمی کی اور دوسروں کی وضع اور طرز اختیار کر لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نئی بدتصوف | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل لوگ صرف نفلیں اور وظائف کے پڑھ لینے

کو انتہائی کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کوئی کمال کی چیزیں نہیں، ہاں ثواب کی چیزیں ہیں جو کمال پر موقوف نہیں، کمال پیدا ہوتا ہے اصلاح کے بعد اور اصلاح کا ہونا عادۃً موقوف ہے صحبت کامل پر مگر نری صحبت بھی کارآمد نہیں جب تک کہ اعمال مامور بہا کا اہتمام نہ ہو اور یہی اعمال اصل سلوک ہیں بدون ان کے اختیار کئے ہوئے کوئی شخص منزلِ مقصود تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ وہ آسمان پر پرواز کرنے لگے، یا دریا پہ بدون کشتی اور جہاز کے چلنے لگے، حقیقت یہ ہے، مگر آجکل جاہل صوفیوں نے لوگوں کی راہ ماری اور گمراہ کیا ہے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب طریق بالکل زندہ ہو گیا، مدتوں کے بعد یہ دن نصیب ہوا، اور یہ میں فخر سے نہیں کہتا بلکہ بطور نعمت کے عرض کر رہا ہوں، وہ جس سے چاہے اپنا کام لے سکتے ہیں۔ طریق سے لوگوں کو اجنبیت اور وحشت ہو چکی تھی وہ اس کو دین سے خارج سمجھ چکے تھے، اب بحمد اللہ طریق کی تکمیل ہو گئی۔

ابن تیمیہ اور ابن القیم | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ابن تیمیہ اور ابن القیم باہم استاد شاگرد ہیں، مگر غضب کے بہت ہیں، باقی ہیں ذہین، اور سلطان القلم، بہت تیز چلتے ہیں، موٹر سے بھی زیادہ، پھر نہیں دیکھتے کہ سڑک میں بچہ ہے یا جانور، بس اڑے چلے جاتے ہیں، اپنی ہی کہتے ہیں، دوسرے کی نہیں سنتے، مگر یہ طرز شانِ تحقیق نہیں۔

حضرت حافظؒ کے متعلق رائے | ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حافظ شیرازیؒ رند مشہور ہیں۔ میں بھی پہلے یہ سمجھتا تھا کہ آزادوں کے مگر میں نے ایک کتاب دیکھی حیات حافظ اس میں ان کی سوانح ہے اس سے معلوم ہوا کہ مفسر ہیں، کشاف کے محشی ہیں، طلبہ تفسیر پڑھنے ان کے پاس آتے تھے۔ عالمانہ وضع میں رہتے تھے، دیوان میں بہت سے مسائل ہیں اصولیہ کلامیہ ہیں۔ ایک مولوی صاحب ان کے معتقد نہیں تھے، میں نے بھی معتقد بنانے کا اہتمام نہیں کیا، کیونکہ کسی امتی کا معتقد ہونا فرض و واجب نہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، اسی طرح رہنے دو۔ اہتمام تو ضروری چیز کا کرنا چاہیئے۔ البتہ گستاخی کرنا برا ہے۔

بزرگوں کی بات میں اثر ہوتا ہے | ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگوں کی معمولی باتوں میں بھی برکت ہوتی ہے، حتیٰ کہ اگر وہ کھانے پینے کی چیزوں کا ذکر بھی کریں تو اس میں بھی ایک خاص برکت ہوتی ہے۔ علاوہ برکت کے اس میں کشش بھی ہوتی ہے، حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے پڑھ کر آئے، وعظ کہا، بہت زور لگائے سامعین پر کچھ بھی اثر نہ ہوا اس کے بعد حضرت منبر پر بیٹھے اور کچھ بیان بھی نہیں کیا صرف یہی فرمایا کہ رات ہم نے سحری کیلئے دودھ رکھا تھا لیکن بلی پی گئی، حق جل شانہٗ کا ارادہ غالب رہتا ہے، توحید کا بیان کرنا مقصود تھا، یہ کہنا تھا کہ تمام مجلس لوٹ پوٹ ہو گئی، تڑپ گئی، اب بتلایئے کون سا ایسا عالی مضمون تھا۔ ان حضرات کے اقوال افعال سب میں نور ہوتا ہے۔

مالی جرمانہ کی صورت | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے فقہا نے لکھا ہے کہ اگر مالی جرمانہ کرے تو اسکی جائز صورت یہ ہے کہ اسکو محفوظ رکھے اور پھر اسکو واپس کردے. تصرف کیلئے اسکا رکھنا جائز نہیں کیسی حکمت کی بات ہے۔

الفت سے تکلف نہیں رہتا | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس قدر کسی کے ساتھ تعلق زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اسکی ظاہری خاطرداری میں کمی ہوتی جاتی ہے مگر آجکل لوگ اس کے عکس کے منتظر رہتے ہیں جو سخت غلطی ہے۔ میرے یہاں یہی ہے کہ جب بے تکلفی ہو گئی تو اب کیسی مدارات اور کیسی خاطر الفت کا مقتضا تو یہی ہے کہ تکلف نہ رہے۔

اسلام کسی کا محتاج نہیں | ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اسلام کو کسی کی پروا نہیں اگر دنیا کے تمام بادشاہوں کا بادشاہ بھی اسلام کو چھوڑ دے تو اسلام کا کیا حرج اسلام تو سب سے خطاب کر کے یہ کہتا ہے ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو　　دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

احادیث کی عظمت | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضورؐ کی تعلیمات میں جو نور ہے سبحان اللہ اسکا کیا کہنا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر نماز فجر پڑھ کر ضحیٰ یعنی اشراق کی نماز تک اسی جگہ بیٹھا رہے پھر اشراق پڑھے تو پورے ایک حج اور عمرہ کا ثواب ملیگا (جمع الفوائد) سو مشاہدہ ہے کہ جو نور اور بشاشت و انبساط جگہ نہ بدلنے پر ہوتا ہے وہ جگہ بدلنے پر نہیں ہوتا. صوفیہ نے اسی مشاہدہ سے کہا ہے کہ جس قدر ذکر ایک نشست میں ہو سکے زیادہ بہتر ہے۔ اس میں خاص برکت ہوتی ہے۔ ایک دوسری تعلیم سنیے تاخیر سحر اور تعجیل افطار کو اسی واسطے مشروع کیا ہے کہ روزہ کی ابتدا اور انتہا معلوم ہو جائے صوم وغیر صوم میں خلط نہ ہو اسی لئے صوم وصال کی ممانعت آئی ہے افطار میں چاہے ایک ہی کھجور کھالے اسی سے فرق تو معلوم ہو جائیگا. سو حضورؐ نے حدود کی رعایت فرمائی ہے ورنہ کبھی ضرور ایسا ہو جاتا اور یہ کچھ بعید نہ تھا کہ سحر و افطار نہ ہونے سے لوگ سمجھتے کہ عشاء کے وقت سے روزہ شروع ہو جاتا ہے اور عشاء کے وقت ختم ہوتا ہے۔

عقل کی حدود | ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل اس نیچریت نے لوگوں کو زیادہ بد اعتقاد بنا دیا. ہر بات کو عقل پر جانچتے ہیں، بیچاری عقل بھی تو مخلوق ہی ہے یہ کہاں تک تیر لگائے گی اور کیا خالق کے احکام کا احاطہ کر سکتی ہے اسکا مبلغ پرواز ایک حد تک ہے، اس سے آگے وہ معطل ہے، احکام کے راز اسرار کو عقل سے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے، مثلاً جبر و قدر ہی کے مسئلہ کو دیکھ لیجئے کہ وہاں تک کسی کی عقل کی رسائی نہیں ہے. اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں خوض و بحث سے روک دیا ہے کسی ایسے ہی مسئلہ کے متعلق کسی نے ایک بزرگ سے دریافت کیا تھا کیا خوب فرمایا کہ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں　　بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ حاکم ہونے کیساتھ حکیم بھی ہیں جو کچھ کرتے ہیں اسی میں بندہ کیلئے مصلحت ہوتی ہے۔